حسین مظلوم کی عزاداری میں ہندو سوگواروں کی ساجھہ داری

گروہ مؤلفین:
۱۔ جناب محسن معصومی۔[۱]
۲۔ محترمہ فہیمہ فجر دزفلی۔[۲]
۳۔ مریم علی پور جیرندہ۔[۳]
مترجم: محقق محمد کاظم

بارہویں صدی ہجری میں شمال ہند میں نوابین اودھ کی حکومت کی تشکیل اس علاقہ میں شیعیت کے فروغ کا سبب ہوئی۔ نوابین اودھ نے محرم کے رسومات میں ہندوؤں کو شریک کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے اور انہیں عزاداری کی طرف مائل کرنے کے لیے کافی پیسہ خرچ کیا۔ جس کے نتیجہ میں شیعہ ثقافت و رسومات خصوصاً امام حسین علیہ السلام کی عزاداری، شمالی ہندوستان کے بڑے خطے کی عمومی تہذیب و ثقافت کا حصہ بن گئی۔ رفتہ رفتہ اہل سنت اور ہندو بھی ان مراسم میں شامل ہونے لگے۔ ہندوؤں کی شرکت کے باعث محرم کے کچھ رسومات بھی ہندو ثقافت اور عقائد سے متاثر ہوئیں۔ اس مضمون میں نوابین اودھ کی شیعہ حکومت کے قیام سے لے کر علاقے پر برطانوی تسلط تک، محرم کی رسومات میں ہندوؤں کی شرکت کے اسباب اور محرکات اور ان کی شرکت کے نتائج کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مقدمہ:

نوابین اودھ شیعہ سادات اور ایرانی نژاد تھے وہ نیشاپور سے ہندوستان آئے تھے۔ برہان الملک سعادت خان نے (۱۱۴۵۔۱۱۵۲) بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں اودھ میں مغل حکومت کے کمزور ہو جانے کے بعد ایک نیم خود مختار حکومت قائم کی۔ ۱۲۳۵ھ تک اس کے جانشین مغل سلطنت کے وزیر سمجھے جاتے تھے۔[۱][۲]

۱۔ ایسوسی ایٹ پروفیسر، اسکول آف تھیالوجی اینڈ اسلامک اسٹڈیز، تہران یونیورسٹی، تہران، ایران۔
۲۔ اسسٹنٹ پروفیسر سائنس اینڈ ریسرچ پی ایچ۔ ڈی آف. برانچ، اسلامک آزاد یونیورسٹی، تہراین، ایران۔
۳۔ ریسرچ اسکالر تھیالوجی اینڈ اسلامک اسٹڈیز اینڈ ریسرچ، برانچ اسلامک آزاد یونیورسٹی، تہران، ایران۔

اودھ کے تیسرے نواب آصف الدولہ (۱۱۸۹-۱۲۱۲ھ) نے اپنی دارالحکومت کو فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کر دیا تھا۔اس دور میں اس شہر میں کئی نئے محلے آباد ہوئے اس طرح وہاں کی آبادی میں بتدریج اضافہ ہوا۔نوابین اودھ کی حکومت سے پہلے اس خطے کے زیادہ تر مسلمان سنی تھے۔شیعوں کو نوابین اودھ کی جانب سے حاصل حمایت کی وجہ سے بہت سے شیعہ دہلی سے فیض آباد اور لکھنؤ کوچ کر گئے۔ (غلام علی خان، ص ۱۵۸) عراق اور ایران سے شیعہ علماء کی ایک بڑی تعداد نے بھی نوابین اودھ کی حمایت کی امید میں اس ملک کا سفر کیا اور اس خطے میں شیعوں کی ترقی اور وسعت پذیری کا میدان ہموار ہو گیا۔ (بہبہانی، ص ۵۱۵)

۱۲۳۵ھ میں نواب غازی الدین حیدر نے انگریزوں کی حمایت سے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اس طرح لکھنؤ کا شمار شاہی شہروں میں ہونے لگا۔ (رام سہائے، ص ۲۹)، نوابین اور شاہان اودھ نے محرم کی عزاداری کے رسموں کو فروغ دیا اور لکھنؤ میں محرم کی رسومات کے لیے شاندار عمارتیں اور امامباڑے بنوائے۔ محرم کے دوران یہ عمارتیں شیعہ، سنی اور ہندوؤں سمیت دوسرے مختلف گروہوں کی نگاہوں کا مرکز ہوتی تھیں، بہت سے سنیوں اور ہندوؤں نے امامباڑہ کی تعمیر کرائی اور تعزیہ اور علم رکھ کر ان رسومات میں حصہ لیا۔ ۱۲۷۳ھ میں اودھ سلطنت ایسٹ انڈیا کمپنی سے منسلک ہو گئی۔جس کے نتیجہ میں لکھنؤ کے بہت سے شیعی اداروں اور عمارتوں پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا، لیکن اس شہر نے اپنے بہت سے شیعی آثار کو زندہ رکھا۔ لکھنؤ کے امامباڑے مذہبی وثقافتی بالخصوص محرم کے زمانہ میں عزاداری کی رسومات برپا کرنے کا اہم مرکز تھے اس میں شک نہیں ہے کہ لکھنؤ کی آبادی میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اور مسلمان خاص طور پر شیعہ اقلیت میں تھے۔ مگر محرم کے رسومات وعزاداری پر شکوہ اور رونق افروز ہوتی تھی ۔ شیعہ، سنی اور ہندوؤں کے مختلف طبقات اور فرقوں کے لوگ برابر ان رسومات میں شریک ہوتے تھے۔

مصنفین کا خیال ہے کہ لکھنؤ میں محرم کی رسومات، جلوس اور مجالس عزا میں ہندوؤں کی شرکت کی وجہ ایک طرف تو شیعہ مذہب اور ہندو مذہب کے رسومات میں کچھ مماثلت تھی اور دوسری طرف ان کی شرکت کے اسباب میں وہ چیزیں تھیں جن کو نوابین اودھ نے مسلمان اور ہندوؤں کے درمیان امن وآشتی اور صلح ومصالحت

۱۔نواب مغل دور میں ایک صوبہ کا گورنر یا نائب سلطنت کو کہا جاتا تھا۔ جسے کبھی کبھی نواب وزیر اور وزیر الملک کہا جاتا تھا۔

۲۔شمالی ہندوستان میں دریائے گنگا کے میدان کا ایک بڑا حصہ ہے جو شمال میں نیپال تک، مشرق میں الہ آبادہ تک اور مغرب میں صوبہ بہار اور دریائے گنگا تک پھیلا ہوا ہے۔

کے لیے ایجاد کیا تھا۔ اس مقالہ میں محرم کے جلوسوں اور پروگراموں میں ہندؤوں کی شرکت کا دو اعتبار سے جائزہ لیا گیا ہے:

ا۔ محرم کے رسومات میں ہندؤوں کی شرکت کے عوامل واسباب

۲۔ لکھنؤ اور نوابین اودھ کی شیعہ حکومت کے علاقے میں اس طرح کی مشارکت کے نتائج و ثمرات برطانوی اقتدار کے قیام تک

"جان کول" (Cole) کی کتاب "ریشہ ھای تشیع ہند شمالی در ایران و عراق: دین و دولت در اودھ" (شمالی ہندوستان کے تشیع کی جڑیں ایران و عراق میں: اودھ میں دین و دولت) کے کچھ صفحات محرم کے رسومات میں ہندؤوں کی شرکت کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں اور محرم کے رسومات اور ہندو مذہب کی تقریبات کے درمیان کچھ مماثلتیں بیان کی گئی ہیں[1]۔ گذشتہ لکھنؤ، ے، مصنفہ عبدالحلیم شرر (۲۰۱۱ء) میں بھی محرم کے رسومات میں ہندؤوں کی شراکت کے بارے میں مختصر اور سرسری بیان ملتا ہے۔

شرر نے محرم کے رسومات میں ہندؤوں کی شرکت کے وجوہات میں سے شیعہ مذہب اور ہندو مذہب کے رسومات کے درمیان کچھ مماثلت اور لکھنؤ کے سماج میں اس شرکت کے نتائج پر روشنی ڈالی ہے۔ محسن معصومی کا مضمون "ہندوان وآئین ھای محرم در دکن" (دکن میں ہندو اور محرم کے رسومات) بھی اسی مضمون سے مماثلت رکھتا ہے۔

عزاداری کے رسومات میں ہندؤوں کی شرکت

ہندوستان میں عزاداری کی رسم، نوابین اودھ سے پہلے بھی متعدد خطوں میں مختلف مذاہب اور فرقے جیسے ہندو، سکھ اور پارسی مناتے تھے اور شہری اور دیہی علاقوں میں بہت سے ہندو امام حسین علیہ السلام کو مقدس و محترم سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے ہندؤوں کا بڑا طبقہ مراسم عزاداری میں شرکت کیا کرتا تھا۔ (دھرمیندر ناتھ، ص ۱۲۱، فاضل الدمنہ، ص ۱۱، فاضل ہنسوی، ص ۲)

ا۔ کتاب روٹس آف نارتھ انڈین شیعیزم ان ایران اینڈ عراق، ریلیجین اینڈ اسٹیٹ ان اودھ، از جان کول۔

زوجۂ میر حسن علی[۱] کی اطلاع کے مطابق، نوابین اودھ کے دور میں تمام مذاہبوں کے اعلیٰ درجہ کے افراد جمع ہوتے تھے محرم کے پہلے دس دنوں میں امام باڑہ میں صبح وعصر کی نمازیں ادا کی جاتی تھیں۔ اس میں شیعہ، سنی اور ہندو کے امراء سبھی شامل ہوتے تھے۔

عزاداری کے مراسم شروع ہونے سے پہلے غریب ونادار لوگوں کو بھی امام باڑے میں جانے کی اجازت تھی۔(Mir Hasan Ali1/39)۔ محرم کے ماتمی پروگراموں کے دوران کوئی اس بات پر توجہ نہیں دیتا تھا کون سنی ہے یا کون شیعہ بلکہ شیعہ، سنی اور ہندو مل کر نوحہ خوانی کرتے تھے۔(شرر، ص ۲۵۵، Mushirul Hasan, 12)۔ راجپوت، برہمن اور کایستھ اور ہندؤوں کے بہت سے گروہ محرم کے مراسم میں شامل ہوتے تھے۔ ان میں کایستھ قوم دوسری ہندو قوموں کی بہ نسبت مسلمانوں کی ثقافت سے سب سے زیادہ متاثر تھی۔(Cole 116-117,Malik Mohammad 412, Casc 39)۔ ہندؤوں نے مراسم عزاداری اور تعزیہ اٹھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور ان میں اکثر امام حسینؑ کی عزاداری میں محرم کے آغاز کے ساتھ اپنی سالانہ رسم کے طور پر شریک ہوتے تھے۔ بہت سے ہندو محرم کا چاند نکلتے ہی کالا لباس زیب تن کرلیتے اور لذیذ کھانا، پینا ترک کردیتے اور فرش (زمین) پر سوتے تھے اور ہر ایک غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی پوری کوشش کرتا تھا۔ وہ کوچہ وبازار میں سبیلیں لگاتے اور لوگوں میں تبرک اور شربت تقسیم کرتے تھے، ہندی، اردو فارسی زبان میں مرثیہ پڑھتے اور لکڑی اور کاغذ سے روضہ کی شبیہ بناتے۔ محرم کے دس دنوں میں جب وہ تعزیہ دیکھتے تو اپنے اعتبار سے ان کی زیارت و تعظیم کے لیے آگے بڑھتے تھے اور عاشور کے دن ایک مخصوص جگہ جسے کربلا کہتے ہیں وہاں تعزیہ کو دفن کرتے تھے۔(شوشتری، حسینی، ص ۶۲؛ نوری، ص ۴۳)

کچھ ہندو عورتیں بھی محرم کی نویں تاریخ کو اپنے گاؤں سے روتی پیٹتی اور نوحہ پڑھتے ہوئے نکلتی تھیں۔ محلے کی کربلا پہ پھول اور تبرک چڑھاتی تھیں اور تعزیہ کی سجاوٹ اور تزئین کاری میں حصہ لیتی تھیں اور امام حسین علیہ السلام سے بیماری سے شفاء اور ہر بلا ومصیبت سے رہائی طلب کرتی تھیں۔(مشیر الحسن، ص۱۱۹)۔ ہندو امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے اصحاب کو ماوراء طبیعت طاقت سمجھتے اور امام حسین علیہ السلام کی سخاوت پر ایمان رکھتے تھے، ان سے دعا اور شفاعت طلب کرتے تھے۔ وہ اپنی

۱۔ محترمہ میر حسن علی، اودھ کے کسی درباری کی زوجہ تھی۔ ۱۲۳۱ سے ۱۲۴۲ تک ان کا قیام زیادہ تر لکھنؤ میں رہا انھوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں قیام کے دوران اپنے دوستوں کو انگلش میں خط لکھے اور ان میں ہندوستان کے مسلمانوں خصوصا شیعوں کا طرز زندگی اور ان کے رسم ورواج لکھے ہیں۔

آرزوؤں کو حاصل کرنے کے لیے مذہبی رسومات انجام دینے میں کوشاں رہتے تھے۔ Malik (Mohammad, 412; Amir Hasan 1, 53)۔

کچھ نوابین اودھ کے منصب دار جیسے جھاؤلال، راجہ ٹیکیٹ رائے، راجہ میورام، اور راجہ مہرانے لکھنؤ میں امامباڑے بنوائے۔ امامبارگاہ میورام کا سالانہ خرچ تین لاکھ روپیہ تھا۔ بہت سے غیر مسلم آگ کے ماتم میں شریک ہوتے تھے۔ (دھرمیندر ناتھ، ص ۱۵)۔ جگن ناتھ ملقب بہ شرف الدولہ نے امجد علی شاہ کے عہد میں روضہ کاظمین کی تعمیر کرائی۔ (رام سہائے، ص ۱۲۰؛ دھرمیندر ناتھ، ص ۱۵۰)۔

ہندو کے امراء اور شرفاء بھی ہر سال امامباڑوں کے چراغاں کرنے اور سبیل و لنگر کے اہتمام پر ایک بڑی رقم خرچ کرتے تھے اور تعزیہ رکھتے تھے۔ (حسینی، ص ٦٦؛ امیر حسن، ص ۵۳)۔

آصف الدولہ کے زمانہ میں لکھنؤ میں تقریباً دس سے بارہ ہزار تعزیہ خانہ تھے۔ اور ہندو، مسلمان بڑے پیمانے پر تعزیہ داری کرتے تھے۔ (بہبہانی، ج ۱، ص ۵۲۴-۵۲۵)؛ آصف الدولہ کے عہد میں محرم کے مراسم میں ہندوؤں کی شرکت کا ایک سبب جھاؤلال کے تعزیہ کا گشت (جلوس) بھی تھا۔ (Rizvi, 1/77)۔

۱۔ محرم کے مراسم میں ہندوؤں کی شرکت کے اسباب

لکھنؤ میں محرم کے مراسم میں ہندوؤں کی شرکت کے مختلف اسباب ہیں ان میں سے بعض تو اودھ کے بادشاہوں اور نوابین کی تشویق و ترغیب سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض کا تعلق محرم کی ان رسموں سے ہے جو شیعہ اور ہندو کے درمیان مشابہ تھیں۔

۱/۱۔ محرم کے مراسم پر نوابین اودھ کی توجہ

نواب اودھ کے زمانہ میں لکھنؤ کی آبادی مختلف ادیان و مذاہب کے ماننے والوں پر مشتمل تھی، مذہبی گروہوں نے ایک دوسرے کو خوش کرنے اور باہمی تعاون کو فروغ دینے کے لیے سیاست و چشم پوشی کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ اودھ میں عوام اور حکمران طبقہ تمام گروہوں کے دین و مذہب تہواروں، ہولی، دیوالی، عید الفطر اور عید الضحیٰ، نوروز و محرم کے پروگراموں میں بلا تفریق شرکت کرتا تھا۔ (Narain Singh, 22)۔

برہان الملک سعادت خان کے عہد (۱۱۴۵-۱۱۵۲ھ) میں ہر مذہب اور ہر طبقہ کا آدمی آزادانہ طریقہ سے اپنے مذہبی رسم و رواج کے مطابق عمل کرتا تھا۔ ایک طرف ناقوس (عبادتوں گاہوں کی گھنٹی) کی تو بلند ہوتی تھی

اور دوسری طرف اذان کی آواز سنائی دیتی تھی۔ برہان الملک شیعہ مذہب کا پابند ہونے کی وجہ سے اودھ میں محرم کے لیے عام تعطیل کا اعلان کردیتے تھے چنانچہ ان کے ساتھ تمام ہندواور مسلمان سوگ نشین ہوجاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اودھ کے علاقہ میں شیعیت کی تبلیغ اور پھر اس کی ترویج برہان الملک کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ (کاظمی، ص ۳۵)؛ ایسا لگتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک ہندو زیادہ لائق اعتماد تھے۔

برہان الملک نے اپنے بہت سے منصب دار ہندو ہی منتخب کیا تھا۔ (Srivastav, 81)۔ مذہبی سیاست میں برہان الملک کے جانشینوں نے بھی انہیں کی پیروی کی۔ صفدر جنگ (۱۱۵۱۔ ۱۱۷۰ھ) جو شیعہ، پرہیزگار اور پارسا تھے، مذہبی سیاست میں مکمل طور پر آزاد منش تھے۔ ان کی نظر میں ہندو، مسلمان برابر تھے۔ بلکہ ان کے بعض نزدیک ترین منصب دار ہندو تھے۔ (Ibid, 256)۔ نوابین اودھ شیعہ مذہبی پروگراموں، خصوصاً محرم کی عزاداری کے مراسم کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ نوابین اودھ کے زمانہ میں محرم کے پروگرام پر منعقد کرنے کی غرض سے عظیم الشان امامباڑے بنائے گئے یہاں تک کہ امام باڑے اور مساجد کی تعمیر میں ہندوؤں نے بھی حصہ لیا۔ (Rizvi, 1/77)۔ عشرہ محرم کے دنوں میں آصف الدولہ گھر گھر جاتے تھے اور ہر تعزیہ خانہ کو پانچ روپئے اور ایک کوزہ شربت سے لیکر کبھی کبھی ہزار روپے تک دیتے تھے۔ (دھرمیندر ناتھ، ص ۱۵۰؛ بہبہانی، ج ا، ص ۵۲۴۔۵۲۵)

۱۔۲ شیعہ اور ہندوؤں کے اتحاد کا سبب

شیعوں اور ہندوؤں کی قربت کا ایک سبب محرم کے ایام میں مذہبی موسیقی تھی۔ لکھنؤ ہندوستان میں موسیقی کا ایک مرکز تھا، یہاں کے اکثر باشندے موسیقی اور میوزک میں مشغول رہتے تھے۔ (Raushan, 133)۔

نوابین اودھ بھی ہندوستان کی موسیقی سے متاثر تھے۔ نوابین کے زمانہ میں سوز کو مذہبی موسیقی میں پڑھے جانے کو غناء نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ محرم کے ایام میں لکھنؤ میں سوز کو موسیقی کی اہم ترین قسم تصور کیا جاتا تھا اور شیعہ حضرات اہل بیت رسول کی شہادت کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے سوز خوانی کرتے تھے۔

اودھ کے نواب نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے اور ان کے درمیان ایک مشترک ثقافت ایجاد کرنے کی کوشش کی اور مذہبی موسیقی کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان رابطہ کا ایک پل قرار دیا۔ (شرر، ص ۲۵۱)؛ آصف الدولہ کے دور میں حیدر خان نام کا ایک شخص سوز خوانی کرتا تھا یہ موسیقی اور آواز کا بڑا ماہر تھا۔ زیادہ تر لوگ خواہ سنی ہوں یا شیعہ یا ہندو، اس کی سوز خوانی سننے کا اشتیاق رکھتے تھے۔ غازی الدین حیدر کے زمانہ میں لوگ

اودھ کے گوشہ وکنار سے طوائفوں کی سوزخوانی سننے کے لیے لکھنؤ آتے تھے۔ یہ عورتیں علماء کی مخالفت کے باوجود مرکزی اور عام جگہوں پر سوزخوانی کرتی تھیں۔ (Cole, 107-110)۔ وہ شیعہ مراکز میں آتی تھیں مثلاً درگاہ حضرت عباس اور تالکٹورہ کی کربلا میں خیمہ لگاتیں اور چند روز وہیں رہتی تھیں۔ بہت سے لوگ ان عورتوں کو دیکھنے اور ملاقات کے لیے ان مراکز کا رخ کرتے تھے۔ (Amir Hasan, 101) شرر، ص ۲۵۵)؛ نوابین اودھ کے آخری دور کی مشہور ترین سوزخواں عورتیں حیدری بیگم، محمدی بیگم اور ننھی بیگم تھیں۔ (Ibid, 53) اور (عبدالحلیم شرر، ص ۲۵۵، ۴۰۷)۔ نوحہ خوانی کو بھی لکھنؤ میں عزاداری کے فروغ پانے کا ایک سبب سمجھا جاتا ہے بہت سے مرد اور عورتیں نوحہ خوانی کی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ محرم کے ایام میں نوحہ خوانی کا شوق بڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ بعض اہل سنت اور ہندو بھی شیعوں کے ساتھ نوحہ خوانی کرتے تھے۔ ان کی تحریر کی رو سے بہت سے مرد اور لڑکے کوچہ و بازار میں سخت ترین نوحوں کو بھی موسیقی کے معیاری اصولوں کے مطابق پڑھتے تھے۔

۳٫۱۔ اردو۔ ہندوؤں اور شیعوں کی مشترک زبان

ہندوستان کے مسلمانوں کی زبان فارسی اور عربی اور ہندوؤں کی زبان سنسکرت تھی لیکن اردو ان زبانوں کے درمیان ارتباط کا ذریعہ اور مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترک زبان بن گئی تھی۔ بالفاظ دیگر عام لوگوں کی یہی زبان تھی۔ (yusuf Ali, 81) دہلی کے بعد لکھنؤ کو اردو زبان وادب کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ آصف الدولہ جو کہ خود بھی ادیب اور شاعر تھے، دہلی سے ہجرت کرکے لکھنؤ آنے والے شعراء کو خوش آمدید کہتے اور ہر ایک کو چھ ہزار روپئے دیا کرتے تھے۔ (Vajpeyi,50)۔ اس زمانہ میں اردو زبان میں مرثیہ خوانی کی سنت نے ہندوؤں کے درمیان بہت زیادہ رواج پایا۔ اردو زبان کی ایک اہم خصوصیت نازک خیالی، لطافت، خوش اسلوبی موزونیت اور صنائع وبدائع کی کثرت تھی۔ (تاراچند، ص ۱۹۱) اور زبان کی یہ ساری خصوصیات ہندو مسلم شعراکے مرثیوں میں شامل ہو گئیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں جو مرثیے کہے گئے تھے ان میں ہندو تہذیب وتاریخ کا رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ہندو مرثیہ گویوں نے کربلا کے سورماؤں اور شہیدوں کو اپنی دینی وتاریخی داستانوں کے پیرایہ میں پیش کیا ہے۔ (Howarth, 15)۔ تدریجی طور پر فارسی کی جگہ اردو کا آجانا بھی محرم کے پروگراموں میں ہندوؤں کی شرکت کا سبب ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو اور اس زبان میں کہے گئے مراثی نے مسلمانوں اور شیعوں کے تفاہم اور اشتراک واتصال کے عنوان سے دونوں گروہوں میں اتحاد پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور محرم کے پروگراموں میں ہندوؤں کی شرکت کی تشویق بھی کافی موثر ثابت ہوئی۔

۲۔ محرم کے مراسم کی بعض ہندو رسموں سے مشابہت

محرم کے پروگراموں کی ہندومذہب کی بعض رسموں سے مشابہت اس بات کا سبب ہوئی کہ ہندوؤں کے اکثر گروہ اپنے مذہب کے پابند رہتے ہوئے محرم کے مراسم میں شرکت کی۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ہندو امام حسین اور شہدائے کربلا سے عشق و عقیدت سے زیادہ اپنے مذہب کی رسموں سے مشابہت کی بناء پر محرم کے مراسم میں شرکت کرتے تھے۔ (Ahmad and Donnaz, 41)؛ مذہبی مقدسات کو دوسرے مذہب کے مقدسات جیسا بنانا بھی اس بات کا باعث ہوا کہ محرم کے مراسم میں اتحاد و ہمدلی کی فضا قائم ہو۔ جیسا کہ ہندوؤں میں حضرت علیؑ کو دسویں اوتار ویشنو کی صورت میں دکھایا گیا ہے۔ اور انبیاء کو بھی ہندوؤں کے خداؤں کی شبیہ بنادیا گیا ہے۔ (Thomes,87) شایگان، ص ۳۴۲) ہندوؤں کے عقائد و تعلیمات کی رو سے خدا زمین پر صرف تجدید مذہب ہی کے لیے مجسم نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ رحمت الٰہی کا سرچشمہ اور بشریت کے لیے (مکسہ) نجات بخش ہوتا ہے۔ (گیتا، (بھگودگیتا) ۹۳۔۹۴؛ رحمانی، ص ۱۱۰) اودھ میں عام خیال کی بناء پر امام حسینؑ بہت سے ہندوؤں کو راہ راست دکھانے والے اور ایودھیہ کے رام کا روپ ہیں۔ رام ہندوؤں کے نزدیک انسان کامل اور عشق و معرفت خدا کا مظہر نیز جوانمرد و بہادر ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ امام حسینؑ نے صحراء میں ایک تحریک چلائی اور آپ کے بھائی عباس، لکشمن (رام کے بھائی) کی مانند فداکار اور شجاع تھے اور حضرت زینبؑ اور امام حسینؑ کی زوجہ بھی سیتا دیوی کا کردار ادا کرنے والی اور وفاداری و دلیری جیسے خصوصیات کی حامل تھیں۔ امام حسینؑ کو آزار و اذیت پہنچانے والا اموی حاکم یزید راون ہی ہے جو جاہ و طلب اور فاسد تخریب کار دیو تھا۔ (Mushirul Hasan,119)۔ رام اور راون کے درمیان ہونے والی جنگ کو ہندو خیر و شر کا معرکہ قرار دیتے ہیں اور رام کی پیدائش کے روز ہندوستان کے اکثر علاقوں میں (رام نومی) کے پروگرام ہوتے ہیں۔ ایسے دنوں میں وہ اپنی عبادت گاہوں میں چراغاں کرتے اور رام کی داستان اور شیطان کے ساتھ ان کی جنگ (رامایَن) پڑھتے ہیں۔ (Mukarji, 65, 67; Book88)۔ رام اور راون کے درمیان دس روز تک ہونے والی شدید جنگ کی یاد دس دن تک منائی جاتی ہے۔ ایک دوسرا تہوار دسہرہ کے نام سے مناتے ہیں۔ نو روز تک دعا پڑھنے، رقص کرنے اور جشن منانے میں مشغول رہتے ہیں اور دسویں دن کہ جس روز جنگ ختم ہوئی تھی خیر و نیکی کی شر اور بدی پر فتح کی نمائش کرتے ہیں۔ وہ شیطان (راون) کا اور اس کے بھائی اور اس لڑکے کے تین بڑے مجسمے بناتے ہیں اور ان تینوں کی رام سے جنگ کی داستان بیان کرکے ان میں آگ لگادیتے ہیں۔ (ضیائی، ۱۶) بعض ہندوؤں کے نزدیک امام حسین بھی

موت کے خدا یادرگا پوجا کا روپ ہیں۔ اس خدا کی حمد و ستائش کے لیے بھی دس روز مقرر ہیں اور دسویں روز اس خدا کا مٹی کا مجسمہ دریا میں بہاتے ہیں۔ (Cola,11)۔[1]

۱۔۲۔ امام باڑہ

امامباڑا ایک مذہبی عمارت ہے جو عموماً محرم کے مراسم برپا کرنے کے لیے بنائی جاتی ہے۔ جنوب ہند میں امامباڑہ کو عاشور خانہ کہتے ہیں۔ ماہ محرم میں ہر روز عام مجلس بڑے امامباڑوں میں منعقد ہوتی ہے جن میں مختلف طبقات کے مذہبی لوگ شرکت کرتے ہیں۔ (Ibid, 42; Mir Hasan Ali, 1/33)۔ اودھ کے نوابین کے زمانہ میں امامباڑے ایک طبقہ اور باغوں کے اندر ہوتے تھے۔ امامباڑوں کی عمارتیں (ہندوستان کے فن معماری میں) بارہ دری سے کافی مشابہ ہوتی تھیں۔ بارہ دری یعنی بارہ در والی عمارت، یہ دو لفظیں اردو کے "بارہ" اور فارسی کے "در" سے مرکب ہے۔ ان عمارتوں کا وجود اودھ کے نوابین سے پہلے بابریوں کی فتح پور سیکری کی عمارتوں میں اور اجمیر میں شاہجہاں کے قصر میں ملتا ہے۔ لکھنؤ کے شیعوں اور ہندوؤں میں بارہ در مقدس و محترم سمجھے جاتے تھے۔ شیعوں کے لیے یہ عدد بارہ اماموں کی علامت اور ہندوؤں کی تہذیب و ثقافت میں یہ سورج کے بارہ برجوں کی نشانی ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ قدیم زمانہ میں اودھ میں ایک حکومت تھی جس کا حاکم خورشید (ویدھ کے مطابق) مشہور ترین خداؤں میں سے تھا۔ (Casci, 26-27)۔ فلک کے بارہ برج خداؤں کی ایک جماعت کا نام ہے۔ یہ سب آدتیہ کے فرزند ہیں آدتیہ انسانی معاشروں میں شمسی نظام کے قوانین کا مجسم مظہر و علامت ہیں اور برہمن سماج میں ان کی تعداد بارہ ہے۔ ہندو مذہب میں تجسیم کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اسی لیے ہندوؤں کے خداؤں کی مختلف شکلوں میں تصویر بنائی گئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اودھ کے نوابوں نے اپنی عمارتوں اور سلطنتی علامتوں میں ان چیزوں کو جگہ دی ہے جو ہندوؤں کی نظر میں مقدس و محترم تھیں۔ ان علامتوں میں ایک مچھلی کی علامت بھی ہے۔ یہ ہندوؤں کے نزدیک ویشنو کی شکل اور قدیم ہندو قوم کا سمبل و نمونہ ہے۔ (Oak, 1/27)۔ مچھلی سعادت خان کی حکومت کا نشان تھی۔ اس زمانہ کے رائج طریقوں میں سے ایک یہ تھا کہ شیعوں کے گھروں میں ایک چھڑی ہوتی تھی جو زردوزی کے کپڑے میں لپٹی ہوئی ہوتی تھی اور اس پر سونے یا چاندی کی مچھلی کا سر آویزاں ہوتا تھا۔ (Hallister, 153) حسین آباد میں آصف الدولہ کے امامباڑے پر بھی مچھلی بنی ہوئی ہے۔ (Oaka, 128)۔

۱۔ خیال رہے کہ یہ تحلیل اور تجزیہ، بعض اہل قلم نے ہندو کے نظریات اور افکار کی ترجمانی کرتے ہوئے پیش کی ہے ورنہ مسلمانوں بالخصوص مذہب تشیع میں محرم و عزاداری کے حوالہ سے ایسا کوئی تصور نہیں پایا جاتا ہے۔ (ادارہ)

نواب آصف الدولہ (۱۱۸۸۔۱۲۱۲ھ) محرم کا مہینہ شروع ہوتے ہی چار پانچ لاکھ روپیہ امامباڑہ کی تزئین کاری اور سجاوٹ پر خرچ کرتے تھے۔ اور امامباڑے کے بے پناہ وسیع حال اور بڑی چھت کو سونے اور چاندی سے بنے ہوئے چھوٹے بڑے سیکڑوں تعزیوں اور سونے چاندی کے شمعدانوں کے ساتھ بلوریں جھاڑ فانوس سے سجادیا جاتا تھا۔ (رام سہائے، ص۶۰؛ ابوطالب ص ۱۱۲۔۱۱۵ ؛ شوشتری، ص ۴۲۴)۔ امجد علی شاہ (۱۲۵۸۔۱۲۶۳ھ) کے زمانہ میں چاندی کے نو تعزیے امامباڑے میں رکھے جاتے تھے اور محرم بھر تمام رات امامباڑہ رنگین فانوس اور موم کی خوشبودار شمع سے روشن رہتا اور پورا شہر روشنی میں نہایا رہتا تھا۔ (Knigh Ton 92)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جھاڑ فانوس اور رنگ برنگ کی شمعوں نیز سونے چاندی کے تعزیوں سے امامباڑوں کی تزئین کاری ہندو معابد (عبادتگاہوں) کی زرق ورق سے مختلف نہیں تھی۔ وہ یہ کام اپنے خداؤں کے معابد سے عقیدت کی بناء پر کرتے تھے۔ موسم خزاں کے اوائل میں ہندو چار شب وروز تک مندروں اور اپنے گھروں کو مختلف قسم کے جھاڑ فانوس سے سجاتے اور بہت زیادہ چراغوں سے روشن کرتے اور جشن مناتے تھے۔ (شوستری، ص ۴، نوری، ص۸۸) شاہ ولی اللہ دہلوی نے کتاب "البلاغ المبین" میں جوکہ موصوف نے شیعوں اور مشرکوں کے اعمال کی رد میں لکھی ہے اس میں انہوں نے امام باڑوں میں رکھے گئے تعزیوں اور ان میں چراغاں کرنے کو بت پرست ہندوؤں کی عبادت سے تشبیہ دی ہے۔ (دہلوی، ص ۶۵)[1]

۱ر۲۔ علم

علم امام حسینؑ کے پرچم کی شبیہ وعلامت ہے جوکہ کربلا میں آپ کے بھائی حضرت عباسؑ کے ہاتھ میں تھا، علم کی مختلف قسمیں ہیں امامباڑوں میں موجود مقدس چیزوں میں سے ایک علم بھی ہے۔ علم کی چوب (چھڑ) کو چاندی سونے کے تاروں سے بنے ہوئے کپڑے سے سجایا جاتا ہے اور اس چھڑ کے اوپر سونے یا چاندی کا پنجہ نصب کیا جاتا ہے۔ (Hallister, 168; Amir Hasan, 45; Mir Hasan Ali)۔

ایک مخصوص ومقدس علم حضرت عباس کی درگاہ لکھنؤ میں محفوظ ہے آصف الدولہ کے زمانہ میں فقیر حسین نام کے ایک شخص نے مکہ سے واپس آنے کے بعد دعویٰ کیا کہ حضرت عباس نے انہیں کربلا میں علم کی خاص جگہ خواب میں دکھائی ہے۔ نواب کے حکم سے اس علم کی ایک زیارت گاہ بنادی گئی۔ سعادت علی خان نے

۱۔ یہ ایک تجزیہ ہے جسے صاحبان قلم نے اپنے اپنے لحاظ سے پیش کیا ہے، محرم وعزاداری سے متعلق مختلف تجزیات اور نظریات وافکار سے مطلع ہونا قارئین کے لئے مفید ہے تاکہ وہ تمام ابعاد سے آشنائی رکھتے ہوئے صحیح اور متقن نتیجہ پر پہنچ سکیں اس لئے اس تجزیہ کو مقالہ میں باقی رکھا گیا ہے۔ ورنہ شیعوں میں عزاداری اور محرم کے مد نظر ایسا کوئی خیال نہیں ہے۔ (ادارہ)

(۱۲۱۲ـ۱۲۲۹ھ) بیماری سے شفا پانے کے بعد شکرانہ میں ایک بڑی درگاہ تعمیر کرائی۔ (سہارام، ص ۱۱۹؛ آغا مہدی ص ۱۱۶؛ کاظمی، ص ۲۱۵، و ۲۱۶)

غازی الدین حیدر (۱۲۲۹ـ۱۲۴۳ھ) کے زمانہ میں اس عمارت میں ایک نقار خانہ بھی بنادیا گیا تھا۔ نصیر الدین کی بیوی ملکہ زمانیہ نے (۱۲۴۲ـ۱۲۵۲ھ) میں فقیروں اور غریبوں میں کھانا تقسیم کرنے کے لیے بڑا مطبخ (لنگر خانہ) تعمیر کرایا۔ (کاظمی، ۲۱۶)؛ وہ اولاد ہونے کی دعا کے لیے ہر جمعرات کو شکوہ وجلال کے ساتھ درگاہ جاتی تھیں اور پانچ ہزار روپئے بعنوان نذر وصدقہ پیش کرتی تھیں۔ (Amir Hasan, 48)۔

اودھ کے بعض حکام، مسند نشین ہونے کے فوراً بعد حضرت عباس کی درگاہ میں حاضر ہوتے تھے جب اودھ کے آخری حکمران واجد علی شاہ کو (۱۲۶۳ـ ۱۲۷۳ھ) کلکتہ جلاوطن کیا گیا تو انہوں نے اپنا تاج اور تلوار درگاہ کو نذر کردی۔ (Ibid.33) اس درگاہ کے مقدس ومبارک ہونے کی بناء پر لکھنؤ کے شیعہ ساتویں محرم کو اپنے اپنے گھروں سے علم، حضرت عباس کی درگاہ لے جاتے تھے۔ (سہارام، ص ۱۱۹؛ غلام علی خان، ۱۷۲)

ہاتھ کے پنجہ کی علامت خصوصاً دائیں ہاتھ کے پنجہ کی علامت مختلف ثقافت اور تہذیبوں میں شوکت وقدرت، فضیلت وعدالت اور صداقت کا مظہر رہی ہے۔ مسلمانوں کے درمیان بھی تانبے، پیتل یا سونے چاندی کا پنجہ قدرت اور اولیاء کی ایک علامت سمجھا جاتا ہے۔ اور اسے دفع شر، نظر بد سے بچنے اور حفاظت وسلامتی اور خوش بختی کا تعویذ وحرز جاں تصور کیا جاتا ہے۔ (Schimmel.114-115؛ کوپر، ص ۱۵۴ـ۱۵۶)

اب یہ پنجہ شیعوں کے درمیان پنجتن کی علامت بن گیا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک پنجہ بلاؤں سے بچانے اور حفاظت کرنے والے طلسم کی علامت ہے جسے وہ اطمینان حاصل کرنے کے لیے گھر کے باہر داخل ہونے والے دروازہ پر لگاتے ہیں۔ (Casei, 42؛ عزیز احمد، ص ۷۱) جس علم اور پنجہ کو شیعہ حضرات محرم کے ایام میں اٹھاتے تھے شاہ ولی اللہ دہلوی اسے ہندو رسم بتاتے ہیں۔ (دہلوی، ص ۶۳) جس پنجہ کو شیعہ علم پر نصب کرتے ہیں بظاہر وہ اس پنجہ کی شبیہ سمجھا گیا جس سے ہندو عقیدت رکھتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ایام عزا میں لکھنؤ کے معاشرہ میں پنجہ کو اتحاد واتفاق کے وسیلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

۳۔۲۔ زیارت

زیارت ان آداب و مراسم میں سے ایک ہے جو شیعوں اور ہندوؤں میں مشترک ہیں۔ زیارتگاہوں میں ہندوؤں اور شیعوں کے دعا مانگنے اور راز و نیاز کرنے کے طریقہ میں کافی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ہر ہندو کی یہ خواہش و کوشش ہوتی ہے کہ وہ زندگی میں کم سے کم ایک بار اپنے مقدس مقامات کی زیارت کرے۔ مہابھارت کی رو سے حصول ثواب کے لیے زیارت کا سفر ایک جہاد ہے۔ اودھ کے نوابین نے مذہبی پروگرام منعقد کرکے اور شیعی عمارتوں کے طرز پر، تاریخی عمارتیں بنوا کر لکھنؤ کی عام ثقافت و تہذیب کو شیعیت کے رنگ میں رنگ دیا۔ لکھنؤ میں ائمہ اطہار کے روضوں کی شبیہ تعمیر کرانے کا کافی رواج ہے چنانچہ اس شہر میں مسجد کوفہ اور حرم امیرالمومنین کی شبیہ "شاہ نجف" بھی اپنی شان و شوکت کے ساتھ موجود ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ لکھنؤ میں تشیع کی پوری تاریخ کو دہرایا گیا ہے۔ اس شہر میں شیعوں کے تمام مقدس مقامات کی شبیہ موجود ہے۔ (Varshney, 7,؛ دھرمیندر ناتھ، ص ۱۵۹) ان عمارتوں کو ہر مذہب و ملت کا آدمی احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور سماج کے مختلف طبقات کے لوگ بڑی تعداد میں ان کی زیارت کے لیے آتے اور نذر و نیاز کرتے ہیں۔ (Malik Mohammad, 412)۔ سال میں ایک روز ہندو جگن ناتھ کی زیارت کے لیے پورے شہر میں جمع ہوتے ہیں۔ وہ دور دراز کے علاقوں سے پیدل بلکہ ان میں سے بعض پیٹ کے بل چل کر زیارت کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ اور کچھ بیٹھے بیٹھے چلتے اور زیارت گاہ پہنچتے ہیں۔ جگن ناتھ کا عملہ ایک مخصوص زمانہ میں اس بت کدہ کا دروازہ کھولتا ہے تاکہ لوگ اس کی زیارت کریں اور راز و نیاز کر سکیں۔ اس زمانہ میں جگن ناتھ میں چراغاں کیا جاتا ہے، اسے سجایا جاتا ہے، اور جو لوگ جگن ناتھ کی زیارت کے لیے جاتے ہیں انہیں مندر کی طرف سے کھانا کھلایا جاتا تھا۔ (شوشتری، ص ۵۶۴؛ نوری، ص ۶۵۔۶۶)

۴۔۲۔ تبرک

ہندی میں تبرک کا مترادف پرساد (Parsad) ہے شیعی اور ہندو مشترک رسم و رواج میں سے ایک تبرک ہے۔ تبرک میں نان (روٹی) گوشت پلاؤ اور شیرینی شامل ہے۔ اودھ کے شرفاء و نجباء تبرک تقسیم کرنے کا خاص اہتمام کرتے تھے اور اس کام کی انجام دہی میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے۔ (Amir Hasan, 1/51)۔ شاہ اور اشراف لوگوں کی پذیرائی حقہ سے کی جاتی تھی اور شاہ و اشراف کی موجودگی میں نچلے طبقہ کے لوگوں کو حقہ پینے کا حق نہیں تھا۔ (Ibid, 284, Mir Hasan Ali, 1/40)۔ واجد علی شاہ (۱۲۶۳۔۷۳ء۱۲ھ) کی بعض بیگمات محرم کے مراسم میں فعال کردار ادا کرتی تھیں اور لوگوں میں کئی کئی دیغ کھانا تقسیم کرتی تھیں۔ شاہی امامباڑہ میں روٹیاں، پلاؤ، گوشت اور

شیر مال تقسیم ہوتی تھی۔ بعض افراد کو تبرک لینے کے لیے خاص طور سے دعوت دی جاتی تھی۔ ہر طبقہ کا انسان تبرک لے سکتا تھا کیونکہ کوئی پابندی نہیں تھی، اسی بناء پر ان مراسم میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد شرکت کرتی تھی۔ (Amir Hasan, 51)۔ ہندو بھی اپنے معبدوں (مندروں وغیرہ) میں اپنے خداؤں کے لیے پھل اور کھانا پانی چڑھا کر پرساد کی رسم ادا کرتے تھے اور پوجا کی رسم ادا کرنے کے بعد اسے شرکت کرنے والوں میں تقسیم کرتے تھے۔ (شوشتری، ص ۵۶۴؛ نوری ۶۶؛ شاتوک، ۱۱۵)

نتیجہ

بارہویں صدی ہجری میں نوابین اودھ کی شیعی حکومت کی تشکیل اس علاقہ میں شیعیت کے فروغ وارتقا کا سبب ہوئی۔ اودھ کے نوابین مختلف محرکات کی بناء پر شیعی رسم ورواج خصوصاً محرم کی رسموں کو پر شکوہ طریقے سے منانے لگے۔ انہوں نے لکھنؤ میں چھوٹا، بڑا امامباڑہ بنا کر محرم کے مراسم میں ہندوؤں کی شرکت کے لئے راستہ ہموار کیا۔

شمالی ہندوستان میں شیعی رسم ورواج خصوصاً محرم کے زمانہ میں امام حسینؑ کی عزاداری کے مراسم عمومی تہذیب وثقافت کے عنوان سے پھیل گئے۔ ایک طرف نوابین اودھ کی ترغیب اور دوسری طرف بعض شیعی رسم ورواج اور محرم کے پروگراموں کا ہندوؤں کے رسم ورواج سے مشابہ ہونا، اس بات کا سبب ہوا کہ وہ محرم کے مراسم میں شریک ہوں۔ گویا امام حسینؑ ان کے نزدیک کبھی اجودھیہ کے رام اور کبھی درگا ماتا کے عنوان سے لائق تعظیم رہے۔ اس زمانہ میں ہندو ماتمی انجمن بنا کر تعزیہ خانہ تعمیر کرکے، تعزیہ رکھ کر اور امام باڑے و کربلا بنا کر اور نذر وہدیہ اور پھول چڑھا کر محرم کے مراسم میں شریک ہوتے تھے اور امام حسین سے اپنی حاجت طلب کرتے تھے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی اس باہمی اور خلوص آگیں زندگی کے نتیجہ میں ایک ایسی نئی تہذیب وجود میں آگئی جس میں اسلام اور ہندو مذہب دونوں کے عناصر موجود تھے۔

منابع:

آغا مہدی، تاریخ لکھنؤ، کراچی، ۱۹۷۶
بہبہانی، آقا احمد، مرآۃ الاحوال جہان نما، قم، انصاریان، ۱۳۷۳ش

تاراچند، تاثیر اسلام بر فرہنگ ہند، ترجمہ علی پیرنیا، عزالدین عثمانی، تہران، ۱۳۷۴ش

دھرمیندر ناتھ، عزاداری حضرت امام حسینؑ ایک آفاقی تحریک، دہلی نو، ۱۳۹۲ھ

رام سہا، احسن التواریخ تاریخ صوبہ اودھ، بی جا، ۱۲۹۳ھ

رحمانی، محمد، بررسی باور بہ تجسد خداوند در آئین ہندو و مسیحیت، الہیات تطبیقی، سال چہارم، شمارہ دہم، پاییز و زمستان ۱۳۹۲ش

شاتوک، سیبل، آئین ہندو، ترجمہ رضا بدیعی، تہران، امیر کبیر، ۱۳۸۸ش

شاہ ولی اللہ دہلوی، البلاغ المبین، لاہور، ۱۹۶۲ھ ۱۳۸۱ء

شرر، عبد الحلیم، گذشتہ لکھنؤ، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء

شوشتری، میر عبد اللطیف، تحفۃ العالم، حیدر آباد، ۱۲۹۴ھ

عزیز احمد، تاریخ تفکر اسلامی در ہند، ترجمہ نقی لطفی، محمد جعفر یاحقی، تہران، کیہان، ۱۳۶۶ش

غلام علی خان، عماد السعادت، لکھنؤ، بی تا

فاضل الدمنہ، انوار السعادۃ فی ترجمہ اسرار الشہادہ، بی جا، ۱۳۱۱ھ

کاظمی، فروغ، شاہان اودھ اور شیعیت، لکھنو، ۱۹۹۹

گیتا (بھگود گیتا) با مقدمہ ای در بارہ مبانی فلسفہ و مذاہب ہند، ترجمہ علی موحد، تہران، خوارزمی، ۱۳۸۵ش

نوری، میرزا رفیع، تحفہ خاقانیہ، تہران، ۱۲۳۰ھ

معصومی، محسن، ہندوان و آیین ہای محرم در دکن، تاریخ و تمدن اسلامی، شمارہ ۱۶، پاییز و زمستان ۱۳۹۱ش

ہنسوی، فاضل، ہند قوم عزاداری، بی جا، ۱۹۴۳-۱۹۴۲

Ahmad Akbar S. and Hasting Donnan (Ed). Islam Globalization and Postmodernity 1994

Amir Hassan, Palacecultuer of Lucknow, Delhi: 1983

An Alphabetic List of feast and Hohidays of Hindus and Muhammadans, Imperial Record department, Calcatta: 1914

Buck.C.H, Faiths, Fairs Festival of India, New Delhi: 1977

Casci, Simonetta, MarziaCasolari, Simona Vitorini, Cultural and Political Identities in India, millano: 2002

Cole, J.R.I, Roots of North Indian Shi ism in Iran and Iraq:Religion and State in Awadh 1724-1859, Oxford: 1989

De Tassy, Garcin, Muslim festival in India and other essay, Trans, and Ed. by M. Waseem, Oxford: 1997

Howarth. M. Toby, The TwelwerSiah as a Muslim Minority in India London: 2005.

Hollister, John Norman, The Shia of India, London: 1953

Knighton, William, Privete life an Eestern King, Lodon: 1855

Edwards, Michael, The Orchid House, London: 1960

Malik Mohamed, The Foundation of composite culture in india, Delhi: 2007

Mir Hassan Ali, Observation on the Mussulmauns of India, London: 1832